قرآنِ منظوم
(قرآن مجید کے شعری تراجم کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ)

محمد سعید شیخ*

کسی بھی ادبی شہ پارے کا دوسری زبان میں ترجمہ کرنا انتہائی مشکل امر ہے اور جب ترجمہ، نثر کی بہ جائے نظم میں کرنا ہو تو مترجم کے لیے یہ مشکل دو چند ہو جاتی ہے۔ مفہومِ متن کی درست ترسیل کے ساتھ ساتھ وزن و بحر اور قافیہ وردیف کی پابندی نظم نگار مترجم کے لیے دو دھاری تلوار پر چلنے کے مترادف ہے۔ جب معاملہ کسی بشری کلام کی بہ جائے خالقِ کائنات کے کلام کے منظوم ترجمے کا ہو، جس کا نثر میں ترجمہ کرنا ناممکن ہے، تو نظم نگار مترجم کو ترجمہ نظم کرتے ہوئے کتنی مشکلیں پڑتی اور دقتیں پیش آتی ہوں گی، اِس کا اندازہ تو صرف اُسی شخص کو ہوسکتا ہے، جو اِس پُر خار وادی میں قدم رکھتا ہے۔ بہ ہر حال قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کرنا ناممکن نہیں تو ناممکن حد تک مشکل ضروری ہے، تاہم برصغیر پاک وہند کے کئی معروف وغیر معروف شعرا نے قرآن مجید کے منظوم تراجم ومفاہیم پیش کر کے قرآنِ مجید وفرقانِ حمید کے ساتھ اپنی عقیدت وارادت مندی کا اظہار کیا ہے۔

اُردو زبان میں راقم اثیم کی اب تک کی دست یاب معلومات کی حد تک قرآن مجید کے انیس مکمل منظوم تراجم اشاعت سے مرصع ہو چکے ہیں، جب کہ جزوی کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ پیش نگاہ مقالہ میں پروفیسر محمد سمیع اللہ اسؔد مرحوم کے منظوم ترجمہ بہ عنوان ''قرآنِ منظوم'' کا جائزہ لیتے ہوئے اُس کے خصائص ومعائب کو آشکار کیا گیا ہے۔

تعارفِ نظم نگار مترجم

پروفیسر محمد سمیع اللہ اسؔد ۱۴ر مئی ۱۹۳۳ء کو بھان بُرہان ضلع ویشالی (ریاست بہار) میں مولوی عبد الرحمٰن کے ہاں پیدا ہوئے، تعلیمی اسناد میں آپ کی تاریخ پیدائش ۳ر فروری ۱۹۳۹ء درج ہے(۱)۔ پہلے قلمی نام اسؔد مظفر پوری اختیار کیا پھر اپنے اصلی نام کو ہی قلمی نام بنالیا۔ فارسی اور عربی میں ایم۔اے، جب کہ ثانی الذکر میں کلکتہ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی (۲)، علاوہ ازیں جرمن زبان میں ڈپلومے کے حامل بھی تھے۔ مولانا آزاد کالج کولکاتا میں شعبہ عربی کے چیئر مین رہے، ۱۹۹۸ء میں ریٹائرڈ ہوئے، ریٹائرمنٹ کے بعد بھی آٹھ سال

* اسسٹنٹ پروفیسر ماڈرن، سینٹر آف ایکسی لینس ان اسلامک لرننگ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، پاکستان۔

اِسی شعبہ میں بہ طور صدرِ شعبہ فرائض سرانجام دیتے رہے(۳)۔ ۱۲/جنوری ۲۰۱۳ء کو خالق حقیقی سے جا ملے، لیک سٹی کولکاتا میں مدفون ہیں(۴)۔

کولکاتا کی مختلف ادبی و تخلیقی انجمنوں سے وابستہ ہوکر نصف صدی تک علم وادب کی خدمت میں سرگرم عمل رہے، بزم شاکری کولکاتا کے معتمد وصدر نشیں رہے۔ آپ بہ یک وقت شاعر، نقاد اور تحقیق کار تھے۔ نصف درجن سے زائد ادبی اور تخلیقی و تحقیقی کاوشیں طبع ہوکر ادب و تحقیق سے تعلق رکھنے والے اصحابِ علم وفن سے داد سمیٹ چکی ہیں؛ جن میں تعلیقات انتخاب فارسی (چھ جلدیں، ۱۹۷۴ تا ۱۹۷۶ء)، غبار سفر (غزلوں کا مجموعہ، ۱۹۹۷ء)، جستہ جستہ (نظموں کا مجموعہ)، جہاتِ نظر (مجموعۂ مقالات) (۵) اور عکس در عکس (قطعات کا مجموعہ) (۶) زیادہ نمایاں ہیں۔ نثریات میں فن تیراکی پر ''کتاب السیاحۃ'' طباعت سے مرصع ہوچکی ہے(۷)۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ پانچ جلدوں پر مشتمل قرآن مجید وفرقان حمید کا منظوم ترجمہ ہے، جسے آپ نے ''قرآنِ منظوم'' کے نام سے معنون کیا ہے۔

زمانۂ تالیف

پروفیسر سمیع اللہ اسدؔ نے قرآن مجید کے منظوم ترجمے کا آغاز ۱۹۹۵ء میں کیا، ۲۵/ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ بہ مطابق ۲۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کو یہ ترجمہ اپنی تکمیل کو پہنچا(۸)۔

اشاعتِ ترجمہ

ترجمہ کی تکمیل سے قبل ہی مترجم پروفیسر محمد سمیع اللہ اسدؔ نے اِس کی اشاعت کا اہتمام شروع کردیا تھا، جلد اوّل ۱۸۶ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں سورۂ فاتحہ سے سورۂ نساء تک کا ترجمہ نظم کی شکل میں ہے۔ اس کی اب تک تین اشاعتیں بالترتیب ۲۰۰۳، ۲۰۰۴ اور ۲۰۰۸ء میں ہوچکی ہیں، راقمِ سطور کے پیشِ نظر یہی تیسری اشاعت ہے۔ جلد دوم جو سورۂ مائدہ سے سورۂ توبہ کے ترجمے پر مشتمل ہے، جنوری ۲۰۰۴ء میں طبع ہوئی اور اس کے کل صفحات ۲۰۰ ہیں۔ جلد سوم جنوری ۲۰۰۵ء میں طبع ہوئی، سورۂ یونس تا سورۂ مریم کا یہ ترجمہ ۲۲۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ جنوری ۲۰۰۶ء میں طبع ہونے والی چوتھی جلد سورۂ طٰہٰ سے سورۂ زمر تک ہے جو کہ ۲۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ چاروں جلدیں عرفان پبلی کیشنز کولکاتا سے طبع ہوئی ہیں۔ پانچویں جلد پرل آفسٹ کولکاتا سے جنوری ۲۰۰۷ء میں طبع ہوئی جو سورۂ مؤمن سے سورۃ الناس تک کی منظوم ترجمانی ہے۔ یہ جلد ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ یوں صفحات کی مجموعی تعداد ۱۱۵۰ بنتی ہے۔

جلد دوم، سوم اور پنجم کے آخر میں ''ضمیمۂ مضامین قرآن'' کے عنوان سے ایک تفصیلی اشاریہ *(Index)*

ہے، یہ اشاریہ جدید منہج تحقیق کے اُصولوں کے مطابق حروف ابجد کی ترتیب پر ہے، البتہ بعض نقائص پائے جاتے ہیں۔ ہر جلد کا آخری صفحہ مترجم کے مختصر سوانحی خاکے کے لیے مختص ہے۔ اس منظوم ترجمے میں متن قرآن تو شامل نہیں ہے، مگر قاری کی سہولت کے لیے ترجمے میں آیات کے نمبر لگائے گئے ہیں۔

صنفِ ترجمہ

سمیع اللہ اسدؔ نے ترجمۂ قرآن نظم کرتے ہوئے اصنافِ نظم میں سے بہ اعتبار ہیئت مثنوی کو منتخب کیا اور بحورِ شاعری میں سے بحر رمل کا انتخاب کیا، پہلے دو رکن سالم رکھے یعنی فاعلاتن فاعلاتن اور تیسرے رکن کو محذوف رکھا یعنی فاعلن یا فاعلات۔ یہ مولانا روم کی مثنوی والا وزن ہے۔

عنوانِ ترجمہ

پروفیسر سمیع اللہ اسدؔ نے اپنے ترجمے کا عنوان انتہائی نامناسب رکھا ہے، قرآنِ منظوم سے تو یہ متبادر ہو رہا ہے کہ قرآن معاذ اللہ نظم میں ہے، حالاں کہ خود قرآن میں اس کے شاعری ہونے سے صریح الفاظ میں انکار کیا گیا ہے:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ (۹)

''اور ہم نے (ان) پیغمبر کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ ان کو وہ شایاں ہے، یہ تو محض نصیحت اور صاف صاف قرآن (پُر از حکمت) ہے''۔

بدترین دشمن قریشی سردار ابو الولید عتبہ بن ربیعہ نے بھی جب یہ کلام سُنا تو بول اُٹھا: واللّٰه! ما هو بشعر (۱۰) ''بخدا! یہ کلام شعر نہیں ہے''۔ وہ تمام اصنافِ سخن سے بہ خوبی واقف تھے، جب وہ کہہ رہے ہیں کہ یہ کلام شاعری نہیں ہے، تو ترجمے کا ایسا نام رکھنا کہ جس سے قرآن مجید کا شاعری ہونا مترشح ہوتا ہو، ناپسندیدہ عمل ہے۔

مآخذ ترجمہ

جناب سمیع اللہ اسدؔ نے اپنے ترجمۂ قرآن کے پیش لفظ میں اپنے مآخذ و مراجع کی نشان دہی کچھ اِس انداز سے کی ہے:

> قرآنِ منظوم' عام اُردو داں قارئین کے لیے نظم کیا گیا ہے، اس لیے دور از کار تفسیری تشریحات و توضیحات سے اس کا دامن بوجھل اور گراں بار نہیں کیا گیا ہے۔ بعض آیتوں کی ضروری اور مختصر تفسیر کر دی گئی ہے۔ اس کے مآخذ وہی احادیث اور عربی کی مسلمہ تفاسیر (جیسے طبری، اثیر، کثیر، فتح

القدیر، ......جلالین اور صحیحین وغیرہ) ہیں جن کی بنیاد پر بعد کی تمام تفسیریں لکھی گئی ہیں، جن کے حوالے جابجا ملتے ہیں اور جن کی جگالی ہر مفسر، عالم وخطاب خطیب ہمیشہ کرتا رہتا ہے، اس لیے ان مآخذ کا حوالہ دینا میں نے عام یا خاص قارئین کے لیے مناسب اور ضروری نہیں سمجھا'' (۱۱)

ابن کثیر اور ابن اثیر کو کثیر اور اثیر لکھنے کی کیا حکمت ہے، اس کے بارے میں تو فاضل نظم نگار ہی بہتر بتا سکتے ہیں، مفسرین ومترجمین قرآن کے لیے'' جگالی'' کا لفظ کسی بھی اعتبار سے موزوں نہیں ہے۔

منظوم تراجم قرآن کے بارے میں ناقص معلومات

جناب سمیع اللہ اسدؔ اپنے ترجمۂ قرآن کے پیش لفظ میں اپنے ترجمے سے پہلے کے منظوم تراجم کے بارے میں قارئین کو جو معلومات مہیا کی ہیں، وہ اکثر وبیشتر ناقص ہیں۔ اِس حوالے سے نظم نگار کا اقتباس ملاحظہ ہو:

''قرآن کریم کے مکمل منظوم ترجموں کی تعداد صرف چار ہیں: زاد الآخرت (۱۸۲۸)، نظم البیان (۱۹۲۳)، افصح الکلام (۱۹۲۵)، اور وحیِ منظوم (۱۹۴۶)۔ جزوی منظوم ترجمے صرف سحر البیان (۱۹۵۱)، آبِ رواں (۱۹۶۰)، مفہوم القرآن (۱۹۷۳) اور منظوم ترجمۂ قرآن ہیں۔ اِن کے علاوہ اوّل تا چہارم، انتیسویں، تیسویں پاروں اور چند سورتوں کا منظوم ترجمہ بار بار ہوا ہے، مگر یہ سارے ترجمے تفسیری ہیں، لفظی اور معنوی نہیں'' (۱۲)

زاد الآخرۃ منظوم تفسیر ہے نہ کہ منظوم ترجمہ، یہ قاضی عبد السلام بدایونی کی تصنیف ہے؛ اس کے سنہ اشاعت کے بارے میں بھی جنابِ اسد کی معلومات درست نہیں ہیں، زاد الآخرۃ ربیع الاوّل ۱۲۸۵ھ/ جون ۱۸۶۸ء میں مطبع نولؔ کشور لکھنؤ سے طبع ہوکر منصۂ شہود پر آئی۔ ''نظم البیان'' شمس الدین شائق ایزدی (م:۱۹۳۶ء) کا ترجمہ ہے، جب کہ افصح الکلام آغا شاعر قزلباش کا منظوم ترجمہ ہے، مگر اس کے صرف چند پارے ہی اشاعت پذیر ہو سکے تھے؛ وحیِ منظوم کی اشاعت بھی ۱۹۴۶ء میں نہیں ہوئی، اس کا ایک پارہ ۱۹۵۱ء میں پرچم پرنٹنگ پریس کراچی سے زیورِ طبع سے مرصع ہوا، اس کے بعد ۱۹۸۱ء میں سیماب اکیڈمی کراچی سے مکمل صورت میں پہلی اشاعت عمل میں آئی، بعد ازاں فرید بکڈپو دہلی اور سیماب اکیڈمی کراچی سے مجموعی طور پر چھے اشاعتیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ سمیع اللہ اسدؔ نے سحر البیان کو جزوی تراجم میں شمار کیا ہے، ۱۹۵۱ء میں صرف تیسواں پارہ اشاعت سے مرصع ہوا، اس کے بعد اپریل ۱۹۵۷ء تک الگ الگ پہلے تین پارے بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہوئے، ۱۹۷۶ء سے ۱۹۷۸ء کے درمیان سحر البیان دو جلدوں میں کراچی سے اشاعت پذیر ہوا، مگر فاضل موصوف ان سب اشاعتوں سے بے خبر رہے ہیں؛ آبِ رواں بھی ۱۹۶۰ء میں جزوی طور پر شائع ہونا شروع ہوا، مگر ۱۹۸۵ء میں پانچ جلدوں میں کراچی سے اور

۲۰۰۵ء میں لاہور سے ایک جلد میں مکمل شائع ہوا، فاضل نظم نگار اِن سے بھی لاعلم ہیں۔ جناب سمیع اللہ اسؔد نے ''منظوم ترجمۂ قرآن'' کو بھی جزوی میں شمار کیا ہے، جب کہ یہ ۱۹۸۶ء میں مطبع نظامی لکھنؤ سے مکمل ایک جلد میں شائع ہوا تھا۔

یہ تو ان تراجم کی بات ہے جن کے بارے میں فاضل نظم نگار کی معلومات ناقص ہیں، ان کے علاوہ مکمل منظوم تراجم میں سے مطیع الرحمٰن خادؔم علی گڑھی کے نظم المعانی (۱۹۴۶)، عبدالعزیز خالؔد کے ''فرقانِ جاوید'' کی دو اشاعتوں (۱۹۸۸ء، ۱۹۸۹ء) سے بالکل لاعلم رہے ہیں، جس طرح مرزا خادم ہوشیار پوری کے وجدان سلیم (۱۹۹۳ء) اور احمد حسین احؔمد قریشی قلعہ داری کے مفاہیم القرآن (تین اشاعتیں: ۱۹۹۶ء، ۲۰۰۰ء اور ۲۰۱۴ء) سے مطلقاً بے خبر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں جناب سمیع اللہ اسد کے ترجمہ قرآن سے قبل سجاد احمد ساجد مراد آبادی (۲۰۰۳ء)، پروفیسر حسین سحر (دو اشاعتیں)، انجم عرفانی، عطا قاضی اور سلیم اختر فارانی کے مکمل منظوم تراجم بھی اشاعت پذیر ہو چکے ہیں، جن کی خبر فاضل موصوف کو نہ ہوسکی۔

ترجمے کے محاسن بہ زبان مترجم

فاضل نظم نگار ''پیش لفظ'' میں اپنے ترجمۂ قرآن کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''راقم الحروف نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ معانی قرآن کی تفہیم میں نہ کوئی اشکال پیدا ہو اور نہ کوئی ابہام، مجھے یہ کہنے میں کوئی تأمل نہیں کہ اس ناچیز کا یہ منظوم ترجمہ اصل معانی قرآن کی حدود میں مقید ہے'' (۱۳)

فاضل مترجم جہاں اپنے ترجمے کی تعریف وستائش میں بلند بانگ دعوے کرتے ہیں وہاں اپنے سے پہلے موجود نثری ترجموں کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر ناقص اور مبہم ہیں، ملاحظہ ہو:

> ''قرآنِ کریم کے زیادہ تر اور اکثر وبیشتر نثری ترجمے ناقص اور معانی کی تفہیم کے اعتبار سے مبہم اور غیر واضح ہیں'' (۱۴)

تسمیہ کا ترجمہ

پروفیسر محمد سمیع اللہ اسؔد نے قرآن مجید کی تمام سورتوں کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا درج ذیل ترجمہ کیا ہے:

نامِ رب سے کرتا ہوں میں ابتدا   جو ہے رحماں ، مہرباں سب سے بڑا

''مہرباں سب سے بڑا'' یہ ''ارحم'' کا ترجمہ ہے، الرحیم کا نہیں۔ شاعر نے محض اپنا شعر سیدھا کرنے کے

لیے ایسا کیا ہے، ورنہ ''الرحیم'' بہ معنیٰ ''ارحم'' نہیں ہوتا۔ اگر بسم اللہ الرحمٰن الارحم ہوتا تو پھر یہ ترجمہ زیب دیتا تھا۔ شاعر نے بسم اللہ کے ترجمے سے ہی پہلا تأثر غلط دیا ہے۔

خشت اوّل چوں نہد معمار کج تا ثریا می رَود دیوار کج

حروف مقطعات

صاحبِ ''قرآن منظوم'' نے حروف مقطعات کے معاملے میں دیگر نظم نگار مترجمین سے جداگانہ اُسلوب اختیار کیا ہے، ان کے معنی و مفہوم متعین کرنے کے درپے تو نہیں ہوئے، البتہ بعض حروف مقطعات کو نظم کا جامہ پہنایا ہے اور بعض کو قرآنی اندازِ کتابت میں لکھنے پر اکتفا کیا ہے؛ حرف مقطع ''الر'' قرآن مجید کی پانچ سورتوں کے آغاز میں آیا ہے، شاعر موصوف نے ماسوائے سورۂ حجر، بقیہ سب کو نظم کا جامہ پہنایا ہے؛ نمونے کے طور پر اُن مقامات میں سے سورۂ ابراہیم کا منظوم آغاز ملاحظہ ہو:

یہ اِک کتاب ہم نے نازل آپ پر کی لاجواب (۱۵)

''الر'' کے علاوہ **المص**، **حمعسق** اور **ق** کو بھی نظم کا جامہ پہنایا ہے، **حمعسق** کا منظومہ ملاحظہ ہو:

حاء و میم و عین و سین و قاف، سب (ہیں حروفِ بامعانی نزدِ رب) (۱۶)

پہلے شعر میں ''لاجواب''، دوسرے شعر میں ''سب'' اور آخری مکمل مصرع اضافی ہیں، محض وزن پورا کرنے اور قافیہ آرائی کے لیے لائے گئے ہیں، دونوں اشعار میں حروفِ مقطعات کو نظم کرتے ہوئے شاعر نے اُن کی مزید تقطیع کردی ہے اور اُن کے درمیان حروف فاصلہ ''وَ'' اور ''اور'' لائے ہیں۔ کیا متنِ قرآن میں اِن حروف کے درمیان ''واؤ'' ہے؟ جب نہیں ہے تو ان کے درمیان حروفِ فاصلہ لانے کا کیا جواز ہے؟ دوسرے شعر کا آخری مصرع بے جان ہے۔ شاعر کے لیے اصلاح تجویز ہے:

حرف ہیں یہ بامعانی نزدِ رب

اِن مذکورہ حروف کے علاوہ بقیہ تمام حروفِ مقطعات کو قرآنی اندازِ کتابت میں متعلقہ سورتوں کے آغاز میں لکھ دیا ہے۔ سورۃ الرعد کا آغاز **المر** سے ہوتا ہے، جب کہ مترجم نے ''**الر**'' لکھا ہے، یقیناً یہ سہو کتابت ہے۔

فرہنگ و تفسیر

خالصتاً منظوم تراجمِ قرآن میں حواشی کی داغ بیل شمس الدین شائق ایزدی نے ڈالی، شائق نے حواشی کے لیے بھی نظم کا اہتمام کیا، شائق کے بعد علامہ سیماب اکبرآبادی نے نثری حواشی لکھے، عبدالعزیز خالدؔ نے بھی اپنے ترجمے میں فٹ نوٹ دیئے ہیں، مگر اکثر و بیشتر اُن فٹ نوٹ میں متن کے مصرعوں کے متبادل مصرعے دیئے ہیں، اِن

کے بعد پروفیسر سمیع اللہ اسدؔ نے تفسیری حواشی کے ساتھ ساتھ فرہنگ کا بھی اضافہ کیا۔ تمام مطبوعہ مکمل منظوم تراجم میں یہ اِس منظوم ترجمے کی ہی انفرادیت ہے، حاشیہ عام طور پر ہر صفحے کے تین اطراف میں ہوتا ہے، لیکن قرآنِ منظوم میں ہر صفحے کے فٹ نوٹ پر فرہنگ اور تفسیر دی گئی ہے۔

سمیع اللہ اسدؔ کسی بھی سورت کے آغاز سے قبل حاشیہ میں اُس کے رکوعوں اور تعدادِ آیات کے بارے میں بتلاتے ہیں، مثلاً سورۂ شعرا کے آغاز پر حاشیہ میں لکھتے ہیں: ''اس سورہ میں گیارہ رکوعیں اور دوسوستائیس آیتیں ہیں'' (۱۷)، بعض حواشی تفسیری نوعیت کے ہیں، مثلاً اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ (۱۸) کا ترجمہ مع اُس کا حاشیہ ملاحظہ کریں:

ایماں لانے والے ہیں وہ مومنیں — جو نبی اور رب پہ رکھتے ہیں یقیں
جب کبھی ہو متحد ہونے کی بات — رہتے ہیں وہ سب نبی کے ساتھ ساتھ
اور بغیر ان کی اجازت کے کہیں — اہلِ ایماں جاتے ہیں ہرگز نہیں

> ''جب کبھی ہو...... یعنی جب کبھی کفار مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہیں اور اسلام کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنا چاہیں یا اسی طرح کوئی اور سنگین مرحلہ پیش آجائے تو سارے مومن نبی [صلی اللہ علیہ وسلم] کے حکم سے متحد ہوجاتے ہیں اور جہاد کے لیے صف آرا ہوجاتے ہیں'' (۱۹)

درج بالا آیت کا ترجمہ نارسا ہے، شاید اسی وجہ سے حاشیہ میں اس کی مزید وضاحت کی ہے، ایمان رکھنے اور یقین رکھنے میں جو فرق ہے وہ بھی مترجم نے ملحوظ نہیں رکھا۔ جناب سمیع اللہ اسدؔ کے حواشی سے لگتا ہے کہ آپ کا مطالعہ بھی سطحی قسم کا ہے، حواشی لکھتے وقت آپ نے بس حافظے سے کام لیا ہے، یہ قرآنی ترجمے کے حواشی ہیں، جو بڑی ذمہ داری کے متقاضی ہیں۔ سطحی معلومات کی نمائندہ مثال میں سورۂ آل عمران کے آغاز میں لفظ تورات اور انجیل کا حاشیہ ملاحظہ ہو:

> ''تورات: یہ آسمانی کتاب حضرت موسیٰ [علیہ السلام] پر بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی تھی، اس کے معنیٰ ہیں 'قانون'۔ تحریف کے بعد اب اصل تورات موجود نہیں۔ یہود ونصاریٰ اب اس کو عہد نامۂ عتیق (Old Testament) کہتے ہیں۔ انجیل: یہ آسمانی کتاب حضرت عیسیٰ [علیہ السلام] پر نازل ہوئی۔ تحریف کے بعد اب اصل انجیل ناپید ہے۔ عیسائیوں نے از سرنو اس کو چار حصوں (Gospels) میں مرتب کیا ہے جس کو عہد نامۂ جدید (New Testament) کہتے ہیں'' (۲۰)

فاضل حاشیہ نگار نے یہاں ناقص معلومات فراہم کی ہیں۔عہد نامہ قدیم ۳۹ کتب کا مجموعہ ہے اور اس کی پہلی پانچ کتب پیدایش، خروج، احبار، گنتی اور استثنا کو تورات یا خمسۂ موسوی یا اسفارِ خمسہ کہتے ہیں، نہ کہ پورے عہد نامہ قدیم کو تورات۔اسی طرح عہد نامہ جدید ۲۷ ابواب یا کتب کا مجموعہ ہے، اُن میں سے پہلی چار کتب: انجیلِ متی، انجیلِ مرقس، انجیلِ لوقا اور انجیلِ یوحنا کو ''اناجیل اربعہ'' کہتے ہیں، یہ چار الگ الگ اشخاص کی ترتیب دی ہوئی ہیں۔ پورے عہد نامہ جدید کو انجیل نہیں کہتے۔

فاضل نظم نگار نے حاشیہ نگاری کرتے ہوئے عصمتِ انبیا، بالخصوص نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وحرمت کا پاس بھی نہیں رکھا۔ جنابِ حاشیہ نویس نے ایک مقام پر صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وعصمت کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے آپ کو حقیقت کے برعکس مصلحت پسند قرار دیا ہے۔آیت، ترجمہ اور حاشیہ ملاحظہ ہو:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًاo لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (۲۱)

اِک صریحاً فتح ہم نے دی تجھے

تا کہ کر دے در گذر (ربِّ جہاں) تیری پچھلی ، بعد کی کوتاہیاں

''نبی کی کوتاہیاں: صلح حدیبیہ سے پہلے مسلمانوں کی طاقت کمزور تھی، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھل کر اسلام کی دعوت نہیں دیتے تھے اور آپ مصلحتوں سے کام لیتے تھے، یہی مصلحتیں ان کی کوتاہیاں تھیں'' (۲۲)

یہ حاشیہ جہاں گستاخیِ رسول کے زمرے میں آتا ہے، وہاں حاشیہ نگار کی تاریخ اور سیرت سید العالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نابلدی کی غمازی بھی کرتا ہے۔صلح حدیبیہ سنہ ۶ ھ میں ہوئی ہے، اس سے قبل مسلمان ہجرت کر چکے، مدینہ میں اسلامی ریاست بھی قائم ہو چکی تھی۔غزوۂ بدر، اُحد اور احزاب میں مسلمان اپنی طاقت وقوت کا مظاہرہ بھی کر چکے تھے، پھر نہ جانے حاشیہ نویس نے کہاں سے پڑھ لیا کہ صلح حدیبیہ سے پہلے مسلمان کمزور تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھل کر دعوتِ اسلام نہیں دیتے تھے اور اللہ کی مرضی کے خلاف مصلحتوں سے کام لیتے تھے۔

''تیری پچھلی، بعد کی کوتاہیاں'' زبان وبیان کی رو سے غلط ہے۔اسی طرح درگزر کے ساتھ دینا کا امدادی فعل لانا زبان وبیان کی رو سے غلط ہے، درگزر کرنا یا درگزر کر لینا ہوتا ہے، پھر درگزر کا املا ''زا'' کے ساتھ ہے، شاعر نے ''ذال'' کے ساتھ کیا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

بعض حواشی غیر ضروری ہیں، جن سے قاری کو کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔مثلاً وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (۲۳) کے ترجمے میں لفظ شرود پر حاشیہ محض انگریزیت کا اظہار کرنے کے لیے ہے، ترجمہ مع حاشیہ ملاحظہ ہو:

رب نے اس کو کردیا گمرہ ، شرود اس کی دانائی خرد کے باوجود

''شرود: (فکر وشعور سے) بھٹکا ہوا، گمراہ جیسے شرود الفکر کو انگریزی میں *Distracted of thoughts* کہا جاتا ہے''(۲۴)

''شرود'' اُردو میں مستعمل ہی نہیں ہے، محض قافیہ سیدھا کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔''قرآنِ منظوم'' میں فرہنگ صرف اِسی ترجمے کی ہی انفرادیت ہے، اس میں ''فرہنگ'' لانا مترجم کی بڑی حد تک مجبوری بھی تھی، کیوں کہ نظم نگار نے اپنے ترجمے میں اُردو میں نامانوس عربی الفاظ اتنی کثرت سے برتتے ہیں کہ اگر فرہنگ نہ ہوتی تو عام اُردو خواں طبقے کے لیے بغیر کسی مستند معجم کے اِس کا فہم بھی ناممکن ہوجاتا، اس لیے ہر صفحے کے فٹ نوٹ میں نظم میں برتے گئے الفاظ کے معانی دیئے گئے ہیں، بعض عربی الفاظ میں تصرف کرتے ہوئے نظم نگار نے اُن کو ایک نئی ہیئت بھی عطا کی ہے، ایسے الفاظ کا کسی معجم میں ملنا بھی ناممکن تھا، اس لیے اس فرہنگ کی افادیت دو چند ہوجاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب ترجمہ اُردو زبان میں ہے تو پھر اتنی کثرت سے عربی الفاظ کے استعمال کی ماسوا اس کے کیا وجہ ہوسکتی ہے کہ نظم نگار اُردو میں نظم کرنے سے عاجز رہے ہیں اور عربی الفاظ سے قافیے سیدھے کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر اُردو میں چند نامانوس اور غریب الفاظ کی فہرست دی جارہی جو جنابِ اسدؔ نے برتتے ہیں اور پھر فٹ نوٹ میں اُن کی وضاحت کی ہے، بریکٹ سے باہر الفاظ، بریکٹ میں وہ معانی دیئے ہیں جو نظم نگار نے اپنی فرہنگ میں دیئے ہیں:

> مَلَک (فرشتہ) مُغرِقوں (ڈوبنے والوں) جِیب [جاندار] (۲۵)، عدیل (روگردانی کرنے والا) (۲۶)، رُسل [رسول کی جمع]، طریف [شاذ ونادر] (۲۷)، ملوط [برائی میں لت پت، Scounderl] (۲۸)، طولِ عصور [زمانے کی لمبائی یعنی زمانہ دراز] (۲۹)، ائتلاف [اتفاق وہم آہنگی] (۳۰)

''جیب'' بہ معنیٰ جاندار نامعلوم کس زبان کا لفظ ہے؟ یا مترجم کا وضع کردہ ہے، کم از کم یہ عربی زبان کا لفظ نہیں ہے، شاعر نے ''جیب'' کو نصیب کا ہم قافیہ لائے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ اس کا تلفظ جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے، عربی میں ایک لفظ ''جَیب'' ہے، جس کی جمع جیوب اور اَجیاب آتی ہے، یہ قمیص کے گریبان یا پاکٹ کے معنی میں مستعمل ہے (۳۱)، لیکن جاندار کے معنی میں یہ نہ اُردو کا لفظ ہے نہ عربی کا۔ ''عدیل'' بہ معنی ''روگردانی کرنے والا'' کا استعمال بھی غلط ہے، عربی میں عدیل کا معنیٰ ہے: مماثل، ہم وزن اور ہم رتبہ (۳۲)، اُردو میں بھی اسی معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، جیسے شاعر بے عدیل (۳۳)۔

''طریف'' کا استعمال بھی درست نہیں ہے، اوّلاً عربی کا یہ لفظ اُردو میں بالکل ہی مستعمل نہیں ہے، ثانیاً

الطریف کے معنیٰ ہیں: نادر وعمدہ، انوکھا، نیا اور پسندیدہ، جیسے نئی اور عمدہ چیز کو ''الطریفہ'' کہتے ہیں (۳۴)، ''ملوط'' ''لاوَطَ'' بہ معنیٰ اغلام بازی کرنا سے مترجم کا اپنا وضع کردہ اسم مفعول ہے۔ یہ صرف دس صفحوں کے نمایاں الفاظ کی فہرست ہے، تاکہ قاری کو یہ اندازہ لگانے میں سہولت رہے کہ پورے ساڑھے گیارہ سوصفحات کی فہرست کتنی طول طویل ہوجائے گی۔ بعض عربی اور اُردو ہم تلفظ الفاظ ایسے بھی ہیں کہ باوجود ہم تلفظ ہونے کے دونوں کے مفاہیم میں بعدِ مشرقین ہے، اس کی نمائندہ مثال لفظ ''فضول'' ہے، عربی میں الفَضْل بہ معنیٰ احسان، مہربانی، کرم، نوازش، وغیرہ، اس کی جمع ''فُضول'' آتی ہے(۳۵)، جب کہ یہی لفظ اُردو میں بے فائدہ، بے کار، نکما، فالتو، جیسے مفاہیم کے لیے مستعمل ہے(۳۶)۔ جناب سمیع اسدؔ نے کس طرح برتا ہے، ملاحظہ ہو:

کرتا ہے بندوں کی وہ توبہ قبول (کرکے ان پر مہربانی اور فضول)(۳۷)

پھر حاشیہ میں اس کی وضاحت کی ہے کہ فضول، فضل کی جمع ہے بہ معنیٰ بخشش، عنایت۔ کیا ہر شخص پر لازم ہے کہ جب وہ شعر پڑھے تو معاً حاشیہ بھی پڑھے، جب کہ وہ لفظ اُردو میں کسی معنیٰ کے لیے ظاہر ظہور بھی ہو۔ اِس لفظ سے قاری کا ذہن تو فوراً بے فائدہ، بے کار، نکما، فالتو جیسے مفہوم کی طرف جائے گا، نہ کہ اُس طرف جس کا نظم نگار نے ارادہ کیا ہے۔ نظم نگار نے جہاں عربی الفاظ کا استعمال کثرت سے کیا ہے وہاں ہندی الفاظ بھی کم نہیں ہیں، چلیں نظم نگار کو ہندوستان میں رہنے کی وجہ سے اس کی رعایت بھی دے دیں، لیکن صفحہ بہ صفحہ الفاظ کا غلط اور بے محل و بے تکا استعمال، وہ بھی قرآن مجید کے ترجمے میں، کسی بھی اعتبار سے درست نہیں ہے۔

قوسین کا استعمال

جناب سمیع اللہ اسدؔ نے چوں کہ ''قرآن مجید کے معانی میں مقید'' رہ کر ترجمہ کرنے کا دعویٰ کیا ہے، غالباً اس لیے قوسین کا اہتمام کیا ہے، تاکہ ترجمے اور اضافے میں فرق کیا جاسکے۔ جب قرآنی معانی میں مقید رہ کر ترجمہ کرنے کا دعویٰ کیا ہے تو پھر یہ اضافے کیوں ہیں؟ اس کا جواب تو بہ ہرحال نظم نگار کے ذمے ہے، البتہ بعض اضافے تفسیری نوعیت کے ہیں اور بعض شعر موزوں کرنے یا قافیہ سیدھا کرنے کے لیے ہیں۔ قوسین کا استعمال بھی تبرکاً کیا ہے، ورنہ اکثر وبیشتر اضافے بدون القوسین ہیں۔ ذیل میں مابین القوسین اور بدون القوسین اضافوں کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

قُلْ لَّآ اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (۳۸)

کہئے ان سے ''میں نہیں ہوں مانگتا اپنی (اس تبلیغ کا) اجر و صلہ
پر ہے رشتہ داری و الفت کی بات (اس کی خاطر دو مجھے تم اپنے ہاتھ)''(۳۹)

﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی﴾ کا ترجمہ محلِ نظر ہے، البتہ تمام اضافے خطوط وحدانی میں ہیں۔ اب ﴿ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ﴾ (۴۰) کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے کہ جہاں اضافے بغیر قوسین کے ہیں:

یہ ہے نازل کردۂ ربّ جہاں جو ہے قدرت والا اور ہے مہرباں (۴۱)

آیت میں ربُّ العالمین تو ہے نہیں کہ شاعر نے جس کا ترجمہ ''رب جہاں'' کیا ہے، العزیز کا ترجمہ ''قدرت والا'' بھی محلِ نظر ہے۔ اب ایک اور مثال ملاحظہ کیجیے جہاں اضافے بریکٹ میں بند ہیں نہ ترجمہ قرآنی آیات میں بند:

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌo اَنْ اَدُّوْا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌo وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِنِّیْ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍo وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ (۴۲)

آزمائش ہم نے پہلے کرلی تھی اِن سے پہلے قوم کو فرعون کی
جس کے پاس آئے تھے باعزت رسول
بولے وہ رب کا فرستادہ ہوں میں اس کا ہی پیغام اک لایا ہوں میں
اس لیے اللہ کے بندوں کو تم چھوڑ دو ، میرے حوالے کردو تم
اور نہ مولا سے کرو تم سرکشی پاس میرے ہے منور روشنی
تم جو کرنا چاہو مجھ کو سنگ سار (کر نہیں سکتے ہو ایسا زینہار)
کہ میں ہوں بے شک پناہِ مولا میں (۴۳)

''وہ بولے میں رب کا فرستادہ ہوں، اس کا ہی اک پیغام لایا ہوں، چھوڑ دو'' یہ سب اضافے ہیں، ان کے لیے ہلالین کا اہتمام نہیں کیا۔ پہلا شعر ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ﴾ کا ترجمہ ہے، اس میں زبان و بیان کے مسئلے ہیں، ''اِن سے پہلے قوم کو فرعون کی'' قوم اور فرعون کے درمیان حرفِ ربط ''کو'' کے فاصلے نے مفہوم گنجلک کردیا ہے۔ ''قَوْمَ فِرْعَوْنَ'' مرکب اضافی ''فَتَنَّا'' کا مفعول بہ ہے (۴۴)، اس کا ترجمہ اُردو میں ہونا چاہیے تھا: قومِ فرعون کو یا فرعون کی قوم کو، لیکن مترجم نے نہ عربیت کا لحاظ رکھا ہے اور نہ اُردو کے قاعدوں ضابطوں کا۔ اس شعر کے اوّل مصرعے میں لفظ ''پہلے'' کے بعد دوسرے مصرعے میں پھر ''پہلے'' لانا خواہ مخواہ کا تکرار ہے جو ملال آور ہے۔ ﴿وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ﴾ کا ترجمہ بھی شاعر نے غلط کیا ہے۔ رسول یہاں واحد آیا ہے، جب کہ مفسرین نے اس

رسول کی تعیین حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کی ہے (۴۵)، اگلی آیت بھی اس بات کی تائید کر رہی ہے تو پھر اس مفرد کا جمع سے ترجمہ کرنے کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟ ﴿اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ﴾ کا یا تو ترجمہ ہی نہیں کیا، اگر ''بولے وہ رب کا فرستادہ ہوں میں'' کو اس جزوِ آیت کا ترجمہ مان لیں تو پھر بھی ترجمہ ناقص ہے، یہاں رسول امین کی صفت کے ساتھ آیا ہے، اس کا ترجمہ کیوں نہیں کیا؟ اسی طرح یہاں ''لکم'' ایک خاص معنویت کے لیے آیا ہے، اس کو کیوں نظر انداز کر دیا؟؛ مترجم پر دوسرا اعتراض یہ آتا ہے کہ ﴿اَنْ اَدُّوْا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ﴾ تو اس جزوِ آیت سے پہلے ہے تو پھر خواہ مخواہ کی ترتیب کیوں بدلی؟ لفظ اللہ کا ''مولا'' سے ترجمہ کرنے کی کیا حاجت تھی، جب کہ عروضی اعتبار سے دونوں لفظ ہم وزن ہیں۔

﴿اِنِّیْ آتِیْکُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ﴾ کا ترجمہ ''پاس میرے ہے منور روشنی'' بھی اپنے دامن میں کئی معائب سمیٹے ہوئے ہے۔ منور کی صفت روشنی لانا ایسے ہے جیسے پانی کی صفت آب لانا، یہ ترجمہ ناقص بھی ہے اور غلط بھی جو محتاجِ وضاحت نہیں۔ اس آیت کا راست ترجمہ ہے: ''میں تمہارے پاس کھلی دلیل لے کر آیا ہوں''، اِس ترجمے میں اور اسؔد کے ترجمے میں فرق واضح ہے۔ اسی طرح اگلی آیت ﴿وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ﴾ کا ترجمہ بھی ناقص ہے۔ ''بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ'' کا ترجمہ صرف لفظ ''مولا'' سے کرنا، ناقص ترجمہ ہے۔

کہیں کہیں درست ترجمہ

''قرآنِ منظوم'' کے بہ نظر غائر مطالعہ سے بہ تلاش بسیار کوئی مقام ایسا نہیں ملا کہ جہاں ترجمہ بالکل درست، زبان و بیان ٹھیک اور شعر فنی اعتبار سے موزوں ہوں کہ شاعر کو دادِ تحسین دے سکیں، ترجمہ درست ہے تو زبان و بیان گنجلک ہے، زبان و بیان رواں ہے تو ترجمہ درست نہیں۔ کسی حد تک درست ترجمہ کی مثال ملاحظہ ہو:

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَاءٍ اَمْرَهَا وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیحَ وَحِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (۴۶)

اُس نے سات افلاک کا تخلیقی کام　　دو دنوں میں کرلیا پورا تمام
ہر فلک پر حکم نافذ کر دیا
چرخِ دنیا کو سجایا دیپوں سے　　اور کیا شیطانوں سے محفوظ اسے
غالب و دانا کا یہ ہے انتظام (۴۷)

پیش کردہ مثال کو بھی آیت کا ترجمہ قرار نہیں دیا جا سکتا، البتہ مفہوم کسی حد تک ادا ہو گیا ہے، پہلے شعر کے

دوسرے مصرعے میں لفظ ''پورا'' کے بعد ''تمام'' لانا زبان و بیان کی رو سے غلط ہے۔ کسی کام کو پورا کرنا ہوتا ہے یا تمام کرنا ہوتا ہے۔ دونوں کو یک جا نظم کرنا غلط ہے۔

نارسا ترجمہ

''قرآنِ منظوم'' کے مطالعے سے مترشح ہوتا ہے کہ نظم نگار اپنے شعروں میں آیاتِ بینات کے مفہوم کی ترسیل میں ناکام رہے ہیں، آیات کا مفہوم جتنا روشن اور واضح ہے اُس کا پَرتَو منظوم ترجمے میں نظر نہیں آتا۔ سورۂ مائدہ کی آیتِ عدل کا ترجمہ نظم کرتے ہوئے مترجم نے سید مودودی کے ترجمے کو پیشِ نظر رکھا ہے، مگر اُن کے ترجمے کو انھی کے مفہوم میں نظم کرنے سے عاجز رہے ہیں، مولانا مودودی نے آیۂ عدل کے ترجمے میں عام مترجمین سے الگ راہ اختیار کی ہے۔ ذیل میں آیت کے ساتھ مولانا فتح محمد جالندھری کا نثری ترجمہ...... جو کہ اکثر مترجمین کے ترجمے کی نمائندگی کرتا ہے...... پھر عام مترجمین سے ہٹ کر مولانا مودودی کا تفہیمی ترجمہ اور اس کے بعد سمیع اللہ اسدؔ کا منظوم ترجمہ پیش کیا جاتا ہے، جس سے یہ اندازہ لگانے میں ذرا دِقت نہیں ہوگی کہ ترجمہ نظم کرتے وقت فاضل نظم نگار نے سید مودودی کے ترجمے کو مدنظر رکھا ہے، مگر اپنے مآخذ میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۴۸)

''اے ایمان والو! خدا کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوجایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اِس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو، انصاف کیا کرو، کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور خدا سے ڈرتے رہو، کچھ شک نہیں کہ خدا تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے'' (۴۹)

اکثر اُردو مترجمینِ قرآن نے آیت بالا کا کم و بیش یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ اب سید مودودی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے'' (۵۰)

مولانا مودودی کے ترجمے کا منظومہ ملاحظہ ہو:

اپنے رب کے واسطے اے مومنو! صدق اور سچائی پر قائم رہو
جب کہا جائے گواہی کے لیے دو شہادت عدل اور انصاف سے

دشمنی کردے تمھیں گر مشتعل چھوڑو مت ہر گز نہ راہِ معتدل
چن لو تم انصاف ہی کا راستہ ہے خدا ترسی کا یہ اک واسطہ
دل میں اپنے رکھو تم مولا کا ڈر رب تمہارے کام سے ہے باخبر(۵۱)

شہادت دینے کو ''جب گواہی کے لیے کہا جائے'' کے ساتھ مشروط کرنا اسلامی نظامِ عدل کے ساتھ ناانصافی اورمتنِ قرآن کے ساتھ زیادتی کے مترادف ہے۔ اسلام کا نظامِ عدل تو گواہی کی نوبت کے وقت گواہی دینے کو واجب اور چھپانے کو جرم قرار دیتا ہے، خواہ گواہی کے لیے طلب کیا جائے یا نہ کیا جائے، مگر گواہی دینے کو طلب کے ساتھ مشروط کرنا قرآن کے مطلق حکم کو مقید کرنے کے مترادف ہے، جس کا جواز کلام اللہ سے ثابت ہوتا ہے نہ احادیثِ رسول اللہ سے اور نہ مولانا مودودی نے اپنے ترجمے میں اِس شرط کو عائد کیا ہے۔ تیسرا شعر ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾ کا بالکل غلط ترجمہ ہے، راہِ معتدل اور چیز ہے اور عدل اور چیز۔ عدل کا ترجمہ راہِ معتدل سے کرنا عربیت ناشناسی کی دلیل ہے۔ مصرع ثانی زبان وبیان کی رو سے بھی غلط ہے، ''چھوڑو مت'' کے بعد لفظ ''نہ'' کا لانا غلط ہے۔

ناقص ترجمہ

''قرآنِ منظوم'' کے تخلیق کار نے قرآن مجید کی ترجمے میں جہاں اپنی طرف سے بہت سے اضافے کیے ہیں وہاں بہت سی آیات کے اجزا کو بے ترجمہ بھی چھوڑ دیا ہے، جو کہ ترجمہ کے باب میں ایک بڑا نقص شمار ہوتا ہے۔ مولانا صباح اسماعیل ندوی علیگ نے صرف سورۃ البقرہ کے ترجمے میں سے ۱۲۹ اجزائے آیات کی نشان دہی کی ہے کہ شاعر نے جن کو ترجمہ میں نظر انداز کردیا ہے(۵۲)۔ ان مقامات کے علاوہ نظم نگار نے سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۵ سے ﴿وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ کا ترجمہ نہیں کیا ہے، اسی سورہ کی آیت نمبر۹۱ سے ﴿ذِكْرِ﴾ اور ﴿عَنِ الصَّلٰوةِ﴾، سورہ رعد کی پہلی آیت سے ﴿مِنْ رَّبِّكَ﴾، حم السجدہ کی آیت ۱۷ سے ﴿عَلَى الْهُدٰى﴾ اور سورۃ الطلاق کی آیت نمبر۱۰ سے ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ کے ترجمے سے نظم نگار صرفِ نظر کر گئے ہیں۔

غلط ترجمہ

سمیع اللہ اسدؔ کا اپنے منظوم ترجمے کے بارے میں دعویٰ تو ''اصل معانی قرآن کی حدود میں مقید'' ہونے کا ہے، مگر یہ محض دعویٰ ہے، جگہ جگہ مترجم معانی قرآن سے دور چلے گئے ہیں، ترجمے کی اغلاط کی جتنی اقسام ہوسکتی ہیں، اسدؔ صاحب نے انھیں اپنے ترجمے میں جگہ دی ہے۔ نمونے کے طور پر چند فاش قسم کی اغلاط کی نشاندہی کی جاتی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ

لَاتُخۡرِجُوۡهُنَّ مِنۡ بُيُوۡتِهِنَّ وَلَا يَخۡرُجۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَّتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ لَاتَدۡرِىۡ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِكَ اَمۡرًا (۵۳)

اے نبی بیوی کو دینا ہو طلاق — حیض کے دوران انھیں دے دو طلاق
ان کی عدت کے دنوں کو تم گنو — اور خدائے پاک سے ڈرتے رہو
اپنے گھر سے مت انھیں باہر کرو
خود بھی وہ گھر سے نکل جائیں نہیں — ہاں ، اگر فحاشی کر بیٹھیں کہیں
یہ مقرر کردہ ہیں رب کی حدود
جو حدوں کو پار کرجائے اگر — ظلم اس نے ہے کیا خود جان پر
کیوں کہ تم کو ہے نہیں اس کی خبر — پیدا کردے رب کوئی حالِ دگر
امرِ دیں کے واقع ہوجانے کے بعد(۵۴)

درج بالا آیت میں ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ سے اگرچہ ندا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، مگر خطاب آپ کی امت کو ہے(۵۵)، یا یہاں محذوف ہے یعنی ''قل لهم'' (۵٦) یا ''قل لأمتك'' (۵۷)، اس کا قرینہ ''اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ'' ہے، مگر فاضل نظم نگار نے قرآن کے اِس اسلوبِ بیان کو فراموش کرتے ہوئے ترجمہ کیا ہے کہ ''اے نبی بیوی کو دینا ہو طلاق''، یہ قرآنی اُسلوبِ بیان سے نا آشنائی کی دلیل ہے۔ ''حیض کے دوران انھیں دے دو طلاق'' یہ مصرع نہ صرف یہ کہ غلط ترجمہ ہے بل کہ نظم نگار کی یہ جسارت قرآن کی معنوی تحریف اور حدیث کے انکار کے زمرے میں آتی ہے۔ جملہ مفسرین، محدثین اور فقہا کے نزدیک حالتِ حیض میں طلاق دینا حرام اور بدعت ہے، اگرچہ اِس طلاق کا وقوع ہوجاتا ہے، مگر یہ کہنا کہ ''اے نبی! اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دو'' مترجم کی عقل پر پتھر پڑگیا ہے۔صحیح مسلم میں ہے:

عن ابن عمر (رضى الله عنهما) قال: طلقت امرأتي على عهد رسول الله –صلى الله عليه وسلم– وهي حائض، فذكر عمر لرسول الله –صلى الله عليه وسلم– فقال: ((مُره فليراجعها ثم لُيدعها حتى تطهرثم تحيض حيضة أخرى، فإذا طهُرت فليطلقها قبل أن يجامعها أو يمسكها، فإنها العدة التي أمر الله أن يطلق لها النساء))(۵۸)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی، جب کہ وہ حالتِ حیض میں تھی، اس بات کا

تذکرہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے (ابن عمر کو) حکم دو کہ وہ اس سے رجوع کرے، پھر اُسے اُسی حالت میں چھوڑ دے یہاں تک کہ حالتِ حیض سے پاک ہوجائے، پھر اُسے دوسرا حیض آئے، پھر اُس سے بھی پاک ہوجائے، پھر مباشرت کیے بغیر اُسے طلاق دینا چاہے تو طلاق دے دے یا روکنا چاہے تو روک لے، یہی وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے آیت (مذکورہ) میں حکم دیا ہے''

اس فاش غلطی کے علاوہ ''النساء'' اور ''بیوت'' کا ترجمہ بالترتیب بیوی اور گھر کرنا مترجم کی عربیت ناشناسی کی غمازی کررہا ہے۔ یہ دونوں لفظ جمع ہیں جب کہ ترجمہ واحد سے کیا گیا ہے، ثانی الذکر ''هن'' ضمیر کی طرف مضاف ہے، جس کا اقتضا یہ ہے کہ ترجمہ ہوتا: ''تم ان عورتوں کو اُن کے گھروں سے نہ نکالو'' (۵۹)، یہ اِس بات کا بھی قرینہ ہے کہ اتمامِ عدت تک شوہر کا گھر اس کا بھی گھر ہے، مگر مترجم نے اس کا بھی لحاظ نہیں رکھا اور ترجمہ کیا: ''اور اپنے گھر سے مت انھیں باہر کرو''، جو کہ غلط ہے۔ دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ اللہ کا ترجمہ خدائے پاک کیا ہے جو کہ نامناسب ہے اور ﴿رَبَّكُمْ﴾ کو بے ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ فاضل نظم نگار نے اس آیت کے جزو ﴿وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ﴾ کا جو ترجمہ کیا ہے وہ زبان وبیان کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔ حرف ''جو'' اُردو میں جہاں بہ طور موصول کے استعمال ہوتا ہے وہاں حرفِ شرط کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، اس کے بعد حرفِ شرط ''اگر'' کا لانا زبان وبیان کے قواعد کی رو سے غلط ہے۔ ﴿لَاتَدْرِي لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا﴾ کا راست اور رواں ترجمہ ہے: ''تم نہیں جانتے، شاید اس کے بعد اللہ (موافقت کی) کوئی صورت پیدا کردے'' (۶۰)، مگر فاضل نظم نگار کا تین مصرعی ترجمہ گنجلک، نارسا اور خواہ مخواہ کے زوائد سے لبریز ہے۔

سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۵ کے جزو ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ﴾ کا ترجمہ نظم کرتے ہوئے بھی فاضل مترجم صریح غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ترجمہ ملاحظہ ہو:

جو کرے ایماں سے انکارِ صریح گھیر لیں گے اُن کو اعمالِ فضیح (۶۱)

پہلے مصرعے میں ''صریح'' زائد ہے، دوسرا مصرع ﴿فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ﴾ کا صریح غلط ترجمہ ہے۔ حبط عمله، حبطا وحبوطا کا ترجمہ ''باطل ہونا، بے نتیجہ ہونا، رائیگاں جانا اور ضائع ہونا'' (۶۲) کے آتے ہیں، گھیر لینے کے لیے عربی میں أحاط يحيط إحاطةً آتا ہے، أحاط اور حبط میں فرق واضح ہے، مگر شاعر نہ جانے کیوں غلط فہمی کا شکار ہوگئے۔ ﴿عَمَلُهٗ﴾ کی ضمیر واحد مذکر غائب کا ترجمہ ''اُن کو'' یعنی جمع کی ضمیر سے کرنا بھی نامناسب ہے۔ پہلے مصرعے کی زبان وبیان کا اقتضا یہ ہے کہ یہاں ''اُن کو'' کی بجائے ''اس کو'' ہوتا۔ مصرع ثانی میں محض

قافیہ سیدھا کرنے کے لیے لایا گیا لفظ ''فصیح'' زائد ہونے کے ساتھ ساتھ اُردو میں نامانوس بھی ہے۔

''قرآنِ منظوم'' کے بہ نظرِ عمیق مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ فاضل نظم نگار قرآن کے اُسلوبِ التفات سے بالکل نابلد ہیں، بعض مقامات پر ضمائر کی ایسی تعیین کرتے ہیں کہ مفہوم ہی غلط ہوجاتا ہے۔ مثلاً سورۂ زخرف کی آیت نمبر ۳۶ سے ۳۸ تک میں التفاتات ہیں، اوّلاً آیات مع مولانا تھانوی کا نثری ترجمہ ملاحظہ ہو جس میں قرآنی التفاتات کا خیال رکھا گیا ہے:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌo وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَo حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِىْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ (۶۳)

''اور جو شخص اللہ کی نصیحت (یعنی قرآن) سے اندھا بن جاوے، ہم اُس پر ایک شیطان مسلط کردیتے ہیں، سو وہ (ہر وقت) اس کے ساتھ رہتا ہے۔ اور وہ اُن کو راہِ حق سے روکتے رہتے ہیں اور یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ راہِ (راست) پر ہیں، یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس آوے گا تو (اس شیطان سے) کہے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان میں (دنیا میں) مشرق ومغرب کے برابر فاصلہ ہوتا کہ (تُو تو) برا ساتھی تھا''

اب آیت نمبر ۳۸ کا منظوم ترجمہ ملاحظہ ہو کہ ضمائر کے تعیّن میں شاعر فاش غلطی کا ارتکاب کر بیٹھے:

آخرش وہ شخص جب کہ آئے گا   ہم میں سے ہر فرد سے وہ بولے گا
''کاش ہوتی میرے تیرے درمیاں   مشرق و مغرب کی جیسی دوریاں
کہ ہے تو میرا برا اِک ہم نشیں'' (۶۴)

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ذکرِ رحمٰن سے پہلوتہی کرنے والا جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں قیامت کے روز حاضر ہوگا تو وہ شیطان سے مخاطب ہوکر کہے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کی دوری ہوتی، یہ خطاب شیطان کو ہوگا، اس کا قرینہ ماسبق آیت میں لفظ ''قرین'' ہے، مگر فاضل نظم نگار نے مفہوم بالکل الٹ دیا ہے۔ ''ہم میں سے ہر فرد سے وہ بولے گا'' سے کون لوگ مراد ہیں؟ ذکرِ رحمٰن کو فراموش کرنے والا کہاں آئے گا؟ یہ تو شاعر موصوف ہی بہتر بتا سکتے ہیں۔

اسی طرح سورۂ فصلت کی آیت نمبر۱۴ کے جزو ﴿فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ کا یک مصرعی ترجمہ بھی شاعر نے غلط نظم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

کرتے ہیں انکار پس تم لوگوں کا (۶۵)

یہاں جزوِ آیت کا اقتضا یہ ہے کہ اس کا ترجمہ ہوتا: ''سو جو تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے'' (۶۶)، اس ترجمے میں اور نظم نگار کے ترجمے میں فرق واضح ہے۔ اب مزید ایک مثال ملاحظہ ہو جس کا ہر شعر کسی نہ کسی غلطی سے لبریز ہے۔ آیت مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ (۶۷)

جو مَلک ہیں عرش کو تھامے ہوئے ... اور جو اس کے گرد ہیں حلقے کیے
کرتے ہیں وہ حمد اپنے مولا کی ... اور اُس پر رکھتے ہیں ایمان بھی
اور جو ایماں رکھنے والے بندے ہیں ... اُس سے اِستغفار کرکے کہتے ہیں
علم و بخشش نے تری پروردگار! ... ڈال رکھا ہے ہر اک شے پر حصار
بخش دے اُن کو کہ جو توبہ کریں ... اور تیرے راستے پر جو چلیں
اور جہنم سے بھی تو ان کو بچا (۶۸)

پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں ''مَلک'' بہ معنیٰ فرشتے کا استعمال اُردو میں نامانوس ہے، دوسرے مصرعے میں حلقہ کو ''حلقے'' باندھنا غلط ہے، ''حلقے کیے'' محاورے کی خلاف ورزی ہے، حلقہ باندھنا اور حلقہ بنانا تو ہوتا ہے، حلقے کیے غلط ہے۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرعے میں رب کا ترجمہ ''مولا'' کرنا محلِ نظر ہے اور ''مولا'' کو نظم کرتے ہوئے اس کے الف کو وزن سے گرانا فنی غلطی ہے۔ شاعر نے متن سے ﴿یُسَبِّحُوْنَ﴾ کا مفہوم بھی قلم انداز کر دیا ہے۔ تیسرے شعر میں ترجمہ صریحاً غلط ہے، ﴿یَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ کا فاعل حاملینِ عرش یعنی فرشتے ہیں، کہ وہ اہلِ ایمان کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں، مگر شاعر نے ﴿لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کی لامِ جارہ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ﴿یَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ کا فاعل بنا دیا ہے جو کہ غلط ہے، لام جارہ نہ ہوتا تو پھر ترجمہ درست ہوتا۔ اِس غلطی کی وجہ سے آگے جو ملائکہ کی دعا ہے وہ ملائکہ کی نہیں رہتی بل کہ مومنین کی بن جاتی ہے۔ چوتھا شعر زبان و بیان کی غلطی سے مجروح ہے، حصار میں لینا، حصار باندھنا تو مستعمل ہے، مگر ''حصار ڈال رکھنا'' غلط ہے، اِس لفظ کے استعمال سے رب کے علم اور رحمت کو مقید کر دیا گیا ہے جس سے ترجمہ بھی غلط ہو جاتا ہے۔ پانچویں شعر میں بھی شاعر درست ترجمہ کرنے سے عاجز رہے ہیں، متنِ قرآن کا تقاضا تو یہ ہے کہ ترجمہ ہوتا: ''پس اُن لوگوں کو بخش دے جنھوں نے توبہ کی اور

تیرے راستہ کی پیروی کی''(۶۹)،مگر نظم نگار نے بہ جائے ماضی میں ترجمہ کرنے کے شرط وجزا کے ساتھ جملہ انشائیہ میں ترجمہ کیا ہے، یعنی جو توبہ کریں اور تیرے راستے پر چلیں اُن کو بخش دے۔ مندرجہ بالا آیت کے ترجمہ میں آخری یک مصرع ناقص ترجمہ ہے۔ فاضل نظم نگار نے ﴿عَذَابَ الْجَحِيْمِ﴾ میں سے ﴿عَذَابَ﴾ کو نظر انداز کر دیا ہے۔ الغرض اِس آیت کے ترجمے میں ہر ہر شعر بل کہ ہر ہر مصرع کسی نہ کسی غلطی سے لبریز ہے۔ اب نظم نگار کی غیر سنجیدگی کا ایک اور مظاہرہ دیکھئے، کہ ﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ﴾ (۷۰) کا مفہوم بالکل ہی الٹ دیا ہے:

ان کو رہنے کی ملی مہلت نہیں　　چرخ ان پر رویا اور روئی زمیں (۷۱)

آیت میں دونوں ''ما'' نافیہ ہیں، شاعر نے ثانی کا ترجمہ نافیہ سے کیا ہے اور اوّل کو نظر انداز کر دیا ہے۔ قرآن تو کہتا ہے کہ نہ اُن پر آسمان رویا اور نہ زمین روئی، مگر شاعر نے جو شعر اُگایا ہے وہ کہتا ہے کہ آسمان بھی اُن پر رویا اور زمین بھی۔ العیاذ باللہ، ایسے ترجموں سے وہ ترجمے بھلے جن کو شاعر ''ناقص اور معانی کی تفہیم کے اعتبار سے مبہم اور غیر واضح'' کہتے ہیں۔ یہاں قرآنی آیت کے الفاظ کی ترتیب بدلنے کی کیا حاجت تھی؟ یہاں کیا اُردو زبان وبیان رکاوٹ تھی یا شاعری؟ کہ آیت کے آخری جزو کا ترجمہ پہلے اور پہلے جزو کا ترجمہ بعد میں کیا ہے۔

زبان وبیان سے دور نارسا شاعری

''قرآنِ منظوم'' میں گوناں گوں فنی اغلاط بہ کثرت ہیں، ذیل میں چیدہ چیدہ اغلاط کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ شاعر نے بعض مقامات پر عربی شاعری کے تتبع میں اُردو شاعری کے رائج اُسلوب سے انحراف کیا ہے، اُردو شاعری میں ہر مصرع اپنے جملہ ہونے میں خود کفیل ہوتا ہے، دوسرے جملے کا محتاج نہیں ہوتا، مگر شاعر موصوف بعض مقامات پر ایسا کرنے میں ناکام رہے ہیں، اس حوالے سے ﴿لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ (۷۲) کا منظوم ترجمہ ملاحظہ کریں:

تاکہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال　　لائیں سوئے روشنیٔ ذو الجلال (۷۳)

''نکال لانا'' مصدر سے ''نکال لائیں'' بنا ہے، اس کا ایک حصہ مصرع اوّل میں ہے اور ایک مصرع ثانی میں، اگر زبان وبیان کی رو سے پڑھا جائے یعنی دونوں مصرعوں کو ایک مصرع میں تسلسل کے ساتھ پڑھیں تو وزن ٹوٹ جاتا ہے، اگر وزن کی لے میں پڑھیں تو زبان وبیان کے قواعد اِس کی اجازت نہیں دیتے۔ ایسا کرنا اُردو اور فارسی فنِ شاعری کے لحاظ سے غلط ہے۔ غالبًا شاعر نے عربی شاعری کی اتباع کی ہے، جہاں اس قسم کی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً امام شرف الدین بوصیری کا مشہور قصیدۂ بردہ شریف سے ایک شعر ملاحظہ ہو جس میں ''الثقلین'' کی نون

عروضی اعتبار سے اگلے مصرعے پر چلی جاتی ہے:

محمدٌ سیّد الکونین و الثقلَین و الفریقین من عرب و من عجم(۷۴)

فاضل نظم نگار نے بعض الفاظ کو نظم کرتے ہوئے اُن سے کچھ حروف کا اسقاط بھی کیا ہے، کہیں اسقاط جائز بھی ہوتا ہے، مگر شاعر نے بعض ایسے اسقاط کیے ہیں جو فنی غلطی کے زمرے میں آتے ہیں۔ مثلاً لفظ ''رحمٰن'' اور ''شیطان'' کو ایک مقام پر ''رحم'' اور ''شیط'' نظم کیا ہے، ان کو اگر وزن میں رکھ کر پڑھیں تو تلفظ کی حرمت پر حرف آتا ہے اور اگر درست تلفظ کے ساتھ پڑھیں تو شعر وزن سے جاتا رہتا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:

چھوڑ دیتا ہے جو ذکرِ رحمٰں کو اس پہ ہم کرتے ہیں غالب شیطاں کو(۷۵)

شاعر موصوف کہیں کہیں شعر کا وزن نبھانے میں بھی ناکام رہتے ہیں، جس کی برجستہ مثال ذیل کا شعر ہے:

بولے مریم سے اے ہاروں کی بہن باپ تو تیرا نہیں تھا بدچلن(۷۶)

پہلا مصرع وزن سے خارج ہے، ہاں اگر ''بولے مریم سے'' کے بعد ''کہ'' کا اضافہ کردیں تو شعر موزوں ہوجاتا ہے، مگر بہن اور چلن ہم قافیہ نہیں ہوسکتے، ہاں اگر ''بہَن'' ہوتا یا شاعر نے شعر میں بہَن باندھا ہوتا تو ٹھیک ہوتا، مگر شاعر نے بھی اس کے درست تلفظ کے ساتھ نظم کیا ہے، بہن کا قافیہ چلن نہیں ہوسکتا۔ ہم قافیہ کے حوالے سے شاعر نے جا بہ جا غلطیاں کی ہیں، مثلاً خلف اور منحرف ہم قافیہ نہیں ہوسکتے، شاعر نے دونوں لفظوں کو ہم قافیہ باندھا ہے(۷۷)۔ شاعر نے قافیہ پیمائی کے لیے بعض محاوروں کا دروبست بھی اُلٹ دیا ہے، مثلاً عربی سے اُردو میں درآمد محاورہ قیل وقال (۷۸) کو شاعر نے قافیہ سیدھا کرنے کے لیے قال وقیل کردیا ہے، ''قال وقیل'' بھی اگرچہ عروضی مجبوریوں کی وجہ سے قدیم شعرا کے ہاں مستعمل ہے، مگر انسب ''قیل وقال'' ہی ہے، کسی نثر نگار کے ہاں ''قیل وقال'' کا استعمال نہیں ملتا۔ ملاحظہ ہو:

ان پہ وہ دیتے نہیں کوئی دلیل (کرتے ہیں کٹ حجتی اور قال و قیل)(۷۹)

جناب سمیع اللہ اسدؔ نے ترجمۂ قرآن کے لیے مثنوی ہیئت کو اختیار کیا ہے، مثنوی کا ہر شعر ہم قافیہ ہوتا ہے، ایک شعر دو مصرعوں سے بنتا ہے، مگر فاضل نظم نگار نے اپنے ترجمے میں یک مصرعی شعر بھی کثرت سے لائے ہیں، اگر اس سے نظم نگار کا ارادہ ترجمے کو اضافوں سے پاک رکھنا تھا، تو یہ بات بالکل غلط ہے، کیوں کہ کئی مصرعے ایسے ہیں جو محض تکمیلِ شعر کے لیے لائے گئے ہیں، چلیں اگر ایک لمحے کے لیے مان بھی لیں کہ آیت کا مفہوم مصرع اوّل میں پورا ہوگیا، زائد مصرع لاکر شعر مکمل کرنے کی بہ جائے اُسے یک مصرعی چھوڑ دیا، تو پھر کسی سورہ کے آغاز میں ہی یک مصرعی شعر لانے کا کیا جواز ہوگا؟ بہرحال مثنوی میں یک مصرعی شعر اہلِ فن کے نزدیک معیوب سمجھے جاتے ہیں۔

خلاصۂ بحث:

عنوانِ ترجمہ سے لے کر ترجمۂ قرآن تک کی جتنی ممکنہ اغلاط ہوسکتی ہیں، وہ سب اس ترجمے میں پائی جاتی ہیں؛ حشو وزوائد بھی ہیں اور فروگزاشتیں بھی؛ بعض اشعار، صدیوں سے چلے آئے امت مسلمہ کے مسلّمات کے منافی اورقرآن وسنت کے متناقض ہیں، فاضل نظم نگار نہ اُردو سے بہرہ وَر ہیں اور نہ عربیت آشنا، ترجمہ جس سنجیدگی ومتانت کا متقاضی تھا، نظم نگارمترجم نے اتنا ہی تساہل انگاری سے کام لیا ہے۔ اس میں قافیہ وردیف کی بنیادی اغلاط سے لے کر بڑی بڑی شعری غلطیاں بھی وافر مقدار میں پائی جاتی ہیں۔ راقم سطور سے قبل مولانا صباح اسماعیل اور ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی نے بھی ''قرآنِ منظوم'' پر نکتہ چینی کی ہے، اوّل الذکر تنقید نگار نے صرف سورۂ بقرہ کے ترجمے کو موضوع بنا کر کوئی تین سو زائد اغلاط کی نشاندہی کی ہے اور ثانی الذکر جلد اوّل کے صرف پہلے دو صفحوں پر حرف گیری کی ہے(۸۰)، راقم مقالہ ہذا نے اِن تحقیق کاروں سے بات آگے بڑھائی ہے، ان کی پیش کردہ کسی تحقیق کو اپنے اس مقالے میں دانستہ شامل نہیں کیا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) نارنگ، گوپی چند، عبد اللطیف اعظمی، ہندوستان کے اُردو مصنفین اور شعراء، اُردو اکادمی دہلی، ۱۹۹۶ء، ص ۸۶۔
(۲) راقم کے نام فاضل مترجم کا خط، مرقومہ ۸/فروری ۲۰۰۹ء۔
(3) www.maulanaazadcollege.in
(۴) مؤرخہ ۹/دسمبر ۲۰۱۴ء کو پروفیسر محمد سمیع اللہ اسدؔ کے بیٹے اِبران اسد سے ٹیلی فون پر کولکاتا بات ہوئی، انھوں نے اپنے والد کی وفات کے متعلق خبر دی۔
(۵) ''جہات نظر'' پروفیسر محمد سمیع اللہ اسدؔ کے مضامین کا مجموعہ ہے، صفحات کی تعداد ۲۳۳ ہے، اس کی طباعت کا اہتمام عرفان پبلیکیشنز کولکاتا نے کیا ہے، تفصیل کے لیے دیکھئے: اُردو بک ریویو (ماہنامہ)، مدیر: محمد عارف اقبال، اُردو بک ریویو نئی دہلی، ج XII، ش ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، اپریل - جون ۲۰۰۸، ص ۹۴۔
(۶) ''عکس در عکس'' پروفیسر محمد سمیع اللہ اسدؔ کے قطعات کا مجموعہ ہے، تمام قطعات ایک ہی بحر میں ہیں اور انداز رباعی کا ہے، کیوں کہ پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے ہم قافیہ ہیں، ہر قطعہ کو ایک عنوان دیا ہے۔ قطعات کی تعداد ۲۱۶، جب کہ صفحات کی تعداد ۱۱۲ ہے، عرفان پبلیکیشنز کولکاتا سے اشاعت عمل میں آئی ہے، دیکھئے: اُردو بک ریویو، اپریل - جون ۲۰۰۸ء، ص ۹۵؛ اُردو بک ریویو (ماہنامہ)، مدیر: محمد عارف اقبال، اُردو بک ریویو نئی دہلی، ج XVI، ش ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، اپریل - جون ۲۰۱۱ء، ص ۷۵-۷۶۔
(۷) اُردو بک ریویو، اپریل - جون ۲۰۱۱ء، ص ۷۵۔
(۸) اسد، پروفیسر محمد سمیع اللہ، قرآنِ منظوم، پرل آفسٹ کولکاتا، جنوری ۲۰۰۷ء، ج ۵، ص ۴۔ (نوٹ: مقالہ ہٰذا میں جہاں کہیں بھی کسی اقتباس کے ضمن میں بڑی بریکٹ [ ] کا استعمال ہے، تو مابین القوسین مندرج الفاظ کو راقم مقالہ کی جانب سے سمجھا جائے۔)
(۹) یٰسٓ ۳۶:۶۹
(۱۰) بغوی، محی السنہ، ابومحمد حسین بن مسعود (م:۵۱۰ھ)، **معالم التنزیل فی تفسیر القرآن المعروف بہ ''تفسیر البغوی''**، تحقیق: عبد الرزاق المہدی، داراحیاء التراث العربی بیروت، ط:۱، ۱۴۲۰ھ، ج ۴، ص ۱۲۸۔
(۱۱) اسد، پروفیسر محمد سمیع اللہ، قرآنِ منظوم، عرفان پبلی کیشنز کولکاتا، ط:۳، ۲۰۰۸ء، ج ۱، ص ۹۔
(۱۲) اسد، پروفیسر محمد سمیع اللہ، قرآنِ منظوم، عرفان پبلی کیشنز کولکاتا، جنوری ۲۰۰۴ء، ج ۲، ص ۴-۵۔
(۱۳) قرآنِ منظوم، ج ۱، ص ۵-۶۔
(۱۴) ایضاً، ص ۵
(۱۵) اسد، پروفیسر محمد سمیع اللہ، قرآنِ منظوم، عرفان پبلی کیشنز کولکاتا، جنوری ۲۰۰۵ء، ج ۳، ص ۹۷۔

(۱۶) قرآنِ منظوم، ج۵،ص۳۰۔

(۱۷) اسد، پروفیسر محمد سمیع اللہ، قرآنِ منظوم، عرفان پبلی کیشنز کولکاتا، جنوری ۲۰۰۶ء، ج۴،ص۹۱۔

(۱۸) النور۲۴:۶۲

(۱۹) قرآنِ منظوم، ج۴،ص۸۰۔

(۲۰) قرآنِ منظوم، ج۱،ص۹۵۔

(۲۱) الفتح ۴۸:۱-۲

(۲۲) قرآنِ منظوم، ج۵،ص۴۳۔

(۲۳) الجاثیہ۴۵:۲۳

(۲۴) قرآنِ منظوم، ج۵،ص۵۷۔

(۲۵) قرآن منظوم، ج۳،ص۳۷۔

(۲۶) قرآن منظوم، ج۳،ص۳۸۔

(۲۷) قرآن منظوم، ج۳،ص۳۹۔

(۲۸) قرآن منظوم، ج۳،ص۴۰۔

(۲۹) قرآن منظوم، ج۳،ص۴۲۔

(۳۰) قرآن منظوم، ج۳،ص۴۷۔

(۳۱) دیکھئے: کیرانوی، حمید الزمان قاسمی، القاموس الوحید، ادارۂ اسلامیات لاہور، س۔ن،ص۳۰۲۔

(۳۲) دیکھئے: القاموس الوحید،ص۱۰۵۵۔

(۳۳) نیّر، مولوی نور الحسن، نور اللغات، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، ط:۳، ۲۰۰۶ء، ج۲،ص۶۹۹۔

(۳۴) القاموس الوحید،ص۹۹۵۔

(۳۵) القاموس الوحید،ص۱۲۴۰۔

(۳۶) نور اللغات، ج۲،ص۸۰۵۔

(۳۷) قرآن منظوم، ج۵،ص۳۴۔

(۳۸) الشوریٰ۴۲:۲۳

(۳۹) قرآنِ منظوم، ج۵،ص۳۴۔

(۴۰) یٰسٓ ۳۶:۵

(۴۱) قرآنِ منظوم، ج۴،ص۱۹۸۔

(۴۲) الدخان۴۴:۱۷-۲۰

(۴۳) قرآنِ منظوم، ج۵،ص۵۰-۵۱۔

(۴۴) الدعاس، احمد عبید، واحمد محمد حمیدان واسماعیل محمود القاسم، إعراب القرآن، دار المنیر ودار الفارابی دمشق، ط:۱، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء، ج۳،ص۲۰۹۔

(۴۵) ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل ابن کثیر (م:۷۷۴ھ)، **تفسیر القرآن العظیم**، تحقیق: سامی بن محمد سلامہ، دار طیبہ بیروت، ط:۲، ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء، جزو۷،ص۲۵۱۔

(۴۶) فصلت ۴۱:۱۲

(۴۷) قرآنِ منظوم، ج۵،ص۲۲-۲۳۔

(۴۸) المائدہ۵:۸

(۴۹) جالندھری، فتح محمد، مولانا، فتح الحمید، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور کراچی، س۔ن،ص۱۷۴۔

(۵۰) مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، ترجمۂ قرآن مجید مع مختصر حواشی، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ط:۴۰، اگست ۲۰۱۴ء، ص۲۸۳۔

(۵۱) قرآنِ منظوم، ج۲،ص۱۲۔

(۵۲) صباح اسماعیل، مولانا، سمیع اللہ اسد کا ''قرآنِ منظوم'' منظوم تراجم کے باب میں ایک ناپسندیدی اضافہ (سورۂ بقرہ کی روشنی میں)، مشمولہ سہ ماہی کاروانِ ادب لکھنؤ، مدیر مسئول: مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، رابطہ ادبِ اسلامی (عالمی)، ج۱۲،ش۳، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء،ص۳۱-۳۳۔

(۵۳) الطلاق ۶۵:۱

(۵۴) قرآنِ منظوم، ج۵،ص۱۵۰-۱۵۱۔

(۵۵) بغوی، محی السنہ، ابومحمد حسین بن مسعود (م:۵۱۰ھ)، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن المعروف بہ ''تفسیر البغوی''، تحقیق: عبدالرزاق المہدی، داراحیاء التراث العربی بیروت، ط:۱، ۱۴۲۰ھ، ج۵،ص۱۰۶۔

(۵۶) محلی، جلال الدین محمد بن احمد (م:۸۶۴ھ)، السیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر (م:۹۱۱ھ)، تفسیر الجلالین، دارالحدیث القاہرہ، ط:۱،س ن، ۷۴۸۔

(۵۷) الجصاص، ابوبکر الرازی حنفی، احمد بن علی (م:۳۷۰ھ)، احکام القرآن، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۵ھ، ج۵،ص۳۴۶۔

(۵۸) امام مسلم، **الجامع الصحیح**، دارالجیل بیروت، ج۴،ص۱۸۰، حدیث رقم ۳۷۲۷۔

(۵۹) فضل الرحمٰن، سید، زبدۃ البیان، زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی، س ن،ص۶۲۱۔

(۶۰) مودودی، ترجمۂ قرآن مجید مع مختصر حواشی، ص۱۴۳۵۔

(۶۱) قرآنِ منظوم، ج۲، ص۱۱۔

(۶۲) القاموس الوحید، ص۳۰۷۔

(۶۳) تھانوی، اشرف علی، مولانا، القرآن الحکیم مع ترجمہ وتفسیر، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، س ن، ص۴۴۴-۴۴۵۔

(۶۴) قرآنِ منظوم، ج۵، ص۴۳۔

(۶۵) قرآنِ منظوم، ج۵، ص۲۳۔

(۶۶) جالندھری، فتح محمد، فتح الحمید، ص۶۷۷۔

(۶۷) المؤمن۴۰:۸

(۶۸) قرآنِ منظوم، ج۵، ص۹۔

(۶۹) طاہرالقادری، ڈاکٹر محمد، عرفان القرآن، منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور، ط:۳۸، مئی ۲۰۱۱ء، ص۴۴۷۔

(۷۰) الدخان۴۴:۲۹

(۷۱) قرآنِ منظوم، ج۵، ص۵۱۔

(۷۲) ابراہیم۱۴:۱

(۷۳) قرآنِ منظوم، ج۳، ص۹۷۔

(۷۴) بوصیری، شیخ شرف الدین ابوعبداللہ، قصیدۃ البردۃ، قدیمی کتب خانہ کراچی، س ن، ص۸۔

(۷۵) قرآنِ منظوم، ج۵، ص۴۳۔

(۷۶) قرآنِ منظوم، ج۳، ص۱۵۸۔

(۷۷) قرآنِ منظوم، ج۳، ص۱۶۰۔

(۷۸) ابوعبداللہ الحمیدی کا شعر ہے، جس میں عربی محاورے قیل وقال کا استعمال کیا گیا ہے:

لقاء الناس ليس يفيد شيئا — سوى الهَذَيان من قيل و قالِ
فأقلل من لقاء الناس إلا — لأخُذِ العِلم أو إصلاح حالِ

تفصیل کے لیے دیکھئے: الشروانی، احمد بن محمد بن علی الانصاری (م:۱۲۵۳ھ)، نفحة اليمن فيما يزول بذكره الشجن، مطبعة التقدم العلمیہ مصر، ط:۱، ۱۳۲۴ھ، ص۲۱۰۔ اُردو شعرا نے بھی اسی طرح استعمال کیا ہے، مسرؔور کا شعر ہے:

ترے دہن کا معمانہ حل ہوا اب تک — سخن وَروں میں سدا قیل وقال رہتی ہے

(۷۹) قرآنِ منظوم، ج۵، ص۵۷۔

(۸۰) تفصیل کے لیے دیکھئے: صباح اسماعیل، مولانا، سمیع اللہ اسد کا ''قرآنِ منظوم'' منظوم تراجم کے باب میں ایک ناپسندیدی اضافہ (سورۂ بقرہ کی روشنی میں)، مشمولہ سہ ماہی کاروانِ ادب لکھنؤ، مدیر مسئول: مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، رابطہ ادبِ اسلامی (عالمی)، ج۱۲، ش۳، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء، ص۲۰-۶۶؛ رئیس احمد نعمانی، ڈاکٹر، قرآن پاک کے منظوم تراجم یا کتاب اللہ کے ساتھ کھلواڑ، مشمولہ ''سہ ماہی کاروان ادب'' لکھنؤ، مدیر مسئول: مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، رابطہ ادبِ اسلامی (عالمی)، ج۱۹، ش۴ و ج۲۰، ش۱، ۲، جنوری تا ستمبر ۲۰۱۳ء، ص۱۶-۳۳؛ رئیس احمد نعمانی، ڈاکٹر، قرآن پاک کے منظوم تراجم یا کتاب اللہ کے ساتھ کھلواڑ، گوشۂ مطالعاتِ فارسی علی گڑھ، ۲۰۱۳ء/۱۴۳۴ھ، ص۱-۲۴۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆